انصاف سے ہوں گے داغ صاف

سیاست میں بڑبولا پن کتنا بھاری پڑسکتا ہے، اس کی سب سے تازہ مثال ہیں مرکزی وزیر مملکت برائے داخلہ اجے مشرا ٹینی۔ وزیر جی تقریباً ایک پکھواڑے پہلے اتر پردیش کی پلیا اسمبلی کے ایک قصبہ میں جلسہ عام کو خطاب کرنے پہنچے تھے۔ جلسہ عام کے راستہ میں کسانوں نے مخالفت اور دل دکھانے والے نعرے لگائے تو وزیر جی اتنے ناراض ہوئے کہ جلسہ کے اسٹیج سے ہی دو منٹ میں حاضرین کو پست کرنے والی اپنی پرانی 'پہلوانی پہچان' کا حوالہ دے ڈالا۔ ساتھ میں کسانوں کو دھمکی بھی دے ڈالی کہ اگر انہوں نے چیلنج قبول کر لیا تو انہیں پلیا ہی نہیں، لکھم پور بھی چھوڑنا پڑے گا۔

اب دیکھنے کا یہ رہا ہے۔ بیٹے کی گرفتاری سے اور اپنی وزارت کے عہدہ کو اُلجھنوں سے بچانے کے لیے اجے مشرا خود پلیا ہی نہیں، لکھم پور تک چھوڑ کر دہلی کی دوڑ لگا رہے ہیں اور مخالفین ہی نہیں، اپنی ہی پارٹی والے کہہ رہے ہیں کہ اب تو سدھر جاؤ۔ وجہ ہے لکھم پور کھیری میں ہنگامہ آرائی اور تشدد میں 9 لوگوں کی اموات، جس کے بعد اتر پردیش کی سیاست میں طوفان مچا ہوا ہے اور لکھنؤ سے دہلی تک بی جے پی کو انصاف کرنے کی دہائی دینی پڑ رہی ہے۔ پورے تنازع کی جڑ ہے اجے مشرا ٹینی جن کا بیٹا آشیش مشرا چار کسانوں کو گاڑی سے کچل کر موت کے گھاٹ اتارنے کے سنگین فعل کا اہم ملزم بنایا گیا ہے۔ یعنی جس کے والد کے کندھوں پر ہی ملک میں قانون پر عمل درآمد کی ذمہ داری ہے، اسی بیٹے پر کھلے عام ملک کے قانون کی دھجیاں اڑانے کے معاملہ میں انگلی اٹھ رہی ہے۔

پورا واقعہ ویسے بھی قابل مذمت ہے اور وزیر سے منسلک ہونے کے سبب سیاسی بھی بن گیا ہے۔ کانگریس اور سماجوادی پارٹی سے لے کر تر نمول کانگریس اور شرومنی اکالی دل جیسی دوسری ریاستوں میں سرگرم علاقائی پارٹیاں تک متاثرہ کنبوں کے درمیان اپنی موجودگی درج کرانے کا مقابلہ کرتی نظر آرہی ہیں۔ اپوزیشن پارٹی ہونے کے ناطے ایسا کرنا ان پارٹیوں کی معاشرتی۔ سیاسی ذمہ داری بھی ہے، لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ریاست اور مرکزی حکومت پر ہو رہے چوطرفہ حملوں کی ایک وجہ اتر پردیش میں آنے والے دنوں میں ہونے والے اسمبلی الیکشن بھی ہیں۔

حالاں کہ تنازع بڑھنے کے باوجود مودی۔ یوگی حکومتیں اور بی جے پی تنظیم نے محتاط اور نپے تلے انداز میں قدم اٹھائے ہیں۔ یوگی حکومت نے اس معاملہ میں جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے متاثرین کو معاوضہ دینے کا اعلان کر کے مخالفت کی آگ کو کافی حد تک قابو میں کر لیا ہے۔ ساتھ میں شروعاتی بندشوں کے بعد اپوزیشن پارٹیوں کو لکھم پور کھیری جانے کی اجازت دے کر یہ بھی طے کر دیا ہے کہ اس معاملہ میں اپوزیشن کے مزید سیاست کرنے کے مواقع آنے والے وقت میں محدود ہوتے چلے جائیں گے۔

فوری طور پر موثر نظر آرہی اس سیاسی ورزش کے باوجود یہ بھی سچ ہے کہ اس واقعہ نے بی جے پی کی آشیش سے حد سے زیادہ اضافہ کر دیا ہے۔ پارٹی قیادت بھلے ہی اوپر سے پرسکون نظر آنے والے سمندر کی تصویر پیش کر رہی ہو، لیکن سطح کے نیچے کافی کھلبلی مچی ہوئی نظر آرہی ہے۔ چار ماہ بعد اتر پردیش میں الیکشن ہونے ہیں۔ ایک طرف مرکز میں وزیر اعظم نریندر مودی اور ریاست کے وزیر اعلیٰ یوگی آدتیہ ناتھ مسلسل ریاست کی ترقی کا روڈ میپ اور اپنی حکومت کی حصولیابیوں کو لے عوام کے درمیان پہنچ رہے ہیں، وہیں اس واقعہ میں پارٹی کے ہی ایک وزیر کے بیٹے کے مبینہ طور پر ملوث ہونے سے عوام کے درمیان جو پیغام گیا ہے، اسے پارٹی کی صحت کے لیے اچھا نہیں سمجھا جا رہا ہے۔ اے پی بی۔سی ووٹر کا تازہ سروے اس جانب ایک اشارہ ہے جس میں شامل 70 فیصد لوگوں نے تسلیم کیا ہے کہ لکھم پور معاملہ سے بی جے پی کو نقصان ہوا ہے۔

اندرون خانہ کی خبر یہ ہے کہ بی جے پی تنظیم کے ساتھ ساتھ سنگھ بھی اس واقعہ سے متعلق کافی ناراضگی ہے۔ کورونا وبا کے دوران ریاست کے عوام کو ہوئی پریشانی اور اس سے پیدا ہوئے غصے کو کم کرنے کے لیے سنگھ اپنے کارکنان کے ذریعہ طویل عرصہ سے ریاست میں سرگرم ہے۔ سنگھ کی اس سرگرمی سے لوگوں کا غصہ کافی حد تک کم ہوا ہے، لیکن گزشتہ دو ہفتوں کے دوران وقوع پذیر ہوئے دو بڑے واقعات نے بی جے پی کو اپوزیشن سے پہلے بڑا جھٹکا دیا ہے۔ پہلے کانپور کا رباری کے گورکھپور میں گرے کے معاملہ میں یوپی پولیس کا مشتبہ کردار اور اب لکھم پور کھیری میں ایک وزیر کے بیٹے کا ہاتھ سامنے آنے سے اس پوری محنت کے نتیجہ پر سوالیہ نشان لگ گیا ہے۔

سنگھ ہمیشہ سے ہر طرح کے کام کاج میں شفافیت کا حامی رہا ہے اور وقت وقت پر اس بات سے حکومت کو آگاہ بھی کرتا رہا ہے۔ اپنی سطح پر حکومت بھی اس معاملہ میں احتیاط برتتی آئی ہے، لیکن اس معاملہ میں دیکھیں تو کہیں نہ کہیں غلطی ضرور ہوئی ہے اجے مشرا ٹینی کے پرانے ریکارڈ کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اب اپوزیشن پارٹیاں بالخصوص کانگریس سپریم کورٹ کے تبصروں کو بنیاد بنانے کے ساتھ ہی الہ آباد ہائی کورٹ میں زیر التوا ایک معاملہ کا حوالہ دے کر اجے مشرا کے بہانے بی جے پی کو کٹہرے میں کھڑا کر رہی ہے۔ کانگریس نے اجے مشرا پر قتل کے ایک پرانے معاملہ کو 17 سال تک درج نہ کرنے اور اب ساڑھے تین سال سے فیصلہ محفوظ ہونے کے باوجود فیصلہ نہ آنے پر سوال اٹھائے ہیں۔ توہین عدالت کا خطرہ مول لیتے ہوئے کانگریس اتنا آگے بڑھی ہے تو اس سے اپوزیشن کے اندر اس معاملہ کو ابھی اور آگے لے جانے کی بے چینی بھی واضح طور پر نظر آتی ہے۔ لکھم پور کھیری کے واقعہ کا اثر یہ ہوا ہے کہ کسان تحریک اب مغربی اتر پردیش سے نکل کر روہیل کھنڈ اور وسط یوپی تک پہنچ گئی ہے۔ اپوزیشن اب اسے بندیل کھنڈ اور پوروانچل تک لے جا کر اسے پورے اتر پردیش کا ایشو بنانے میں مصروف ہوگئی ہے۔

جمہوریت میں حکومتیں مقبولیت سے چلتی ہیں اور صرف انصاف کرنا کافی نہیں ہوتا، انصاف کرتے نظر آنا بھی اتنا ہی اہم ہوتا ہے۔ اب صوبہ اور مرکز کی حکومتوں کے سامنے یہی چیلنج ہے۔ مافیا اور قانون ہاتھ میں لینے والوں کے ساتھ ویسے بھی مرکز کی مودی حکومت اور اتر پردیش کی یوگی حکومت سختی سے پیش آتی رہی ہیں۔ اس معاملہ میں بھی اہم ملزم آشیش مشرا کے خلاف قانونی کارروائی کی جا رہی ہے، جب کہ اس کے وزیر والد کو دہلی طلب کر کے ان سے بھی صفائی طلب کی گئی ہے۔ حکومت یا تنظیم سے وابستہ ہر شخص کو متنازع بیان اور ویڈیو سے بچنے کی سخت ہدایت دے دی گئی ہے۔

نظریہ

اُپیندر رائے

اتر پردیش کی یوگی حکومت سختی سے پیش آتی رہی ہیں۔ اس معاملہ میں بھی اہم ملزم آشیش مشرا کے خلاف قانونی کارروائی کی جا رہی ہے، جب کہ اس کے وزیر والد کو دہلی طلب کر کے ان سے بھی صفائی طلب کی گئی ہے۔ حکومت یا تنظیم سے وابستہ ہر شخص کو متنازع بیان اور ویڈیو سے بچنے کی سخت ہدایت دے دی گئی ہے۔ اچھا ہوگا اگر اس معاملہ کو مثال بنا کر سیاست میں شفافیت کی ایسی روایت بھی شروع کر دی جائے، جس میں قانون سے کھلواڑ کے داغ لگے شخص کو گوشہ سسٹم سے جڑے کسی بھی لیول کے لیے نااہل قرار دے دیا جائے۔ ویسے موجودہ انتظامیہ میں اس خیال کے تئیں پہلے سے بھی کافی حمایت موجود ہے اور یہ شاید اسی سوچ کے دباؤ کا نتیجہ ہے کہ پہلے نوٹس کو نظر انداز کرنے کے بعد اہم ملزم آشیش مشرا کو دوسرے نوٹس پر کرائم برانچ کے سامنے پیش ہونا پڑا ہے۔ یہ واقعہ اس بات کا اشارہ ہے کہ اس معاملہ میں بھی انصاف ضرور ہوگا۔ بس سوال اس انصاف تک پہنچنے کے وقت کا ہے، کیوں کہ ہر گزرتا لمحہ شبہ کی آنچ اور سوالات کی آگ کو تیز کر رہا ہے۔

(کالم نگار سہارا نیوز نیٹ ورک کے سی ای او اور ایڈیٹر اِن چیف ہیں)

روزنامہ راشٹریہ سہارا

ROZNAMA RASHTRIYA SAHARA NEW DELHI

صورتحال تشویشناک!

اگر کسی گھر کا ایک فرد سنگین بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کا راست یا بالواسطہ اثر گھر کے دیگر لوگوں پر بھی پڑتا ہے لیکن وبا کا دائرۂ اثر ایک گھر یا چند گھروں تک محدود نہیں ہوتا۔ کورونا وائرس ایک عالمی وبا ہے۔ اس کے دائرۂ اثر میں دنیا کے 221 ممالک اور علاقے ہیں۔

رواں سال کی ابتدا تک 82 کروڑ 50 لاکھ طلبا کی تعلیم پر کورونا وائرس نے اثرات مرتب کیے تھے۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ کورونا لوگوں کی صحت اور ان کی جان کے لیے ہی مہلک ثابت نہیں ہوا ہے، اقتصادیات اور تعلیم کے لیے بھی نقصانہ دہ ثابت ہوا ہے۔ کورونا متاثرین کی تعداد کے لحاظ سے وطن عزیز ہندوستان، امریکہ کے بعد دوسرے نمبر پر ہے اور دوسرا ایسا ملک ہے جہاں متاثرین کی تعداد 3 کروڑ سے زیادہ ہے۔ رواں سال کی ابتدا میں ایسا لگنا تھا کہ کورونا وائرس سے نجات مل گئی ہے، اقتصادی سرگرمیاں بحال ہو جائیں گی، اسکول کھل جائیں گے مگر کورونا کی نئی لہر نے دیکھتے ہی دیکھتے حالات بد سے بدتر بنا دیے۔ بڑی تعداد میں لوگ کورونا سے متاثر ہونے لگے، اموات ہونے لگیں۔ ایسی صورت میں بند اسکولوں کو کھولنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا، کوشش یہ کی گئی کہ طلبا کی تعلیم کا نقصان نہ ہو۔ سو آن لائن کلاسز کا جو سلسلہ گزشتہ برس شروع ہوا تھا، اس سال اسے دراز کر پڑا مگر حکومت یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ عالمی وبا کے دوران ملک کے مختلف حصوں میں طلبا کی تعلیم کیسی چل رہی ہے، آن لائن تعلیم کی سہولتیں کتنے طلبا کو دستیاب ہیں۔ اس سلسلے میں ایک رپورٹ وزارت تعلیم کی طرف سے جاری کی گئی ہے جو تشویش میں اضافہ کرنے والی ہے، کیونکہ 7 ریاستوں میں 40 تا 70 فیصد طلبا کی رسائی ڈیجیٹل ڈیوائسز تک نہیں ہے۔ 22 ریاستوں اور 7 مرکز کے زیر انتظام علاقوں پر تیار کی گئی رپورٹ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کن ریاستوں میں صورتحال بدترین اور کن ریاستوں میں اچھی ہے۔ مدھیہ پردیش میں بغیر ڈیجیٹل رسائی والے طلبا کی تعداد 70 فیصد ہے تو ایسے طلبا کی تعداد بہار میں 58.09 فیصد اور آندھرا پردیش میں 57 فیصد ہے۔ یعنی مدھیہ میں 30 فیصد، بہار میں 41.91 فیصد اور آندھرا پردیش میں 43 فیصد طلبا ہی آن لائن تعلیم حاصل کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔ وہ دیگر ریاستیں جہاں صورت حال تشویشناک ہے، ان میں آسام، جھارکھنڈ، اتراکھنڈ اور گجرات شامل ہیں۔ آسام میں بغیر ڈیجیٹل تک رسائی والے طلبا کی تعداد 44.24 فیصد، جھارکھنڈ میں 43.42 فیصد جبکہ اتراکھنڈ میں 41.17 فیصد اور گجرات میں 40 فیصد ہے۔ اعداد و شمار کی عدم موجودگی کی وجہ سے اتر پردیش اور مغربی بنگال میں آن لائن تعلیم کی صورتحال سامنے نہیں آسکی ہے۔ تحمل ناڈو کی طرف سے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس نے اپنے طلبا میں 5.15 لاکھ لیپ ٹاپ کی تقسیم کی ہے۔ اس وقت اسی طرح کے قدم اٹھانے کی ضرورت ہے مگر ابھی تو یہی سوال جواب طلب ہے کہ کیا طلبا کے لیے تعلیم کا حصول آسان بنانا بھی ریاستی حکومتوں کی ترجیحات میں فہرست ہے؟

تحمل ناڈو میں بھی آن لائن کلاسز کی سہولتیں سبھی طلبا کو دستیاب کرانے کے لیے کچھ اور کیے جانے کی ضرورت ہے، کیونکہ متذکرہ رپورٹ سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ تحمل ناڈو میں 14.51 طلبا کی رسائی ڈیجیٹل ڈیوائسز تک نہیں ہے۔ ریاستوں میں سب سے اچھی صورت حال کیرالہ میں اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں میں دہلی میں ہے۔ کیرالہ میں بغیر ڈیجیٹل رسائی والے طلبا کی تعداد 1.63 فیصد ہی ہے۔ اسی طرح دہلی میں بغیر ڈیجیٹل رسائی والے طلبا کی تعداد 4 فیصد ہے۔ شرح خواندگی میں ملک کی پوزیشن بہتر ہے، بہتر بنانے سے تو بدلتے حالات کے تقاضوں پر توجہ دینی ہوگی، طلبا کی نئی ضرورتوں کو پورا کرنا ہوگا۔ کورونا کے پھیلاؤ سے پہلے جیسے پسماندہ گھروں کے طلبا کو کاپی، کتاب، یونیفارم اور دیگر اشیائے ضروریہ مہیا کرانے پر توجہ دی جاتی تھی اسی طرح انہیں لیپ ٹاپ یا ٹیب یا اسمارٹ فون کے ساتھ انٹرنیٹ کنکشن کی سہولتیں بھی دستیاب کرانی ہوں گی تبھی حالات میں تبدیلی آئے گی۔ طلبا کو جدید سہولتیں دستیاب کرانا اس لیے بھی ضروری ہے، کیونکہ دعوے سے یہ بات نہیں کہی جا سکتی کہ کورونا کی تیسری لہر نہیں آئے گی اور حالات یوں ہی بہتر رہیں گے جیسے ابھی ہیں۔ حالات اگر خدانخواستہ اچانک خراب ہو گئے تو پھر طلبا کو سہولتیں کیسے مہیا کرائی جا سکیں گی، اس سوال پر غور کرنے میں تاخیر نہیں کی جانی چاہیے۔ یہ بات بالکل نظر انداز نہیں کی جانی چاہیے کہ کسی ملک کی اصل ترقی سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی مانی جاتی ہے اور یہ ترقی تعلیم پر توجہ دیے بغیر حاصل نہیں کی جا سکتی!

edit2sahara@gmail.com

ملک سے غداری- مقدمات اور حقائق

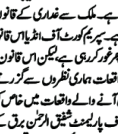

ایڈووکیٹ ابوبکر سباق سبحانی

جائزہ

ملک سے غداری یا دیش دروہ کے قانون اور اس قانون کے استعمال کو لے کر ہونے والی بحث کسی نتیجے تک پہنچنے میں ناکام ہوتی محسوس ہو رہی ہے۔ ملک سے غداری کے قانون کو سڈیشن کا قانون بھی کہا جاتا ہے۔ سپریم کورٹ آف انڈیا اس قانون کی دستوری حیثیت پر ایک بار پھر غور کر رہی ہے، لیکن اس قانون کے متلک و مشتبہ مقدمات کے واقعات ہماری نظروں سے گزرتے رہتے ہیں۔ حالیہ دنوں میں پیش آنے والے واقعات میں خاص کر طالبان کے مضبوط پریسنر مرمر آف پارلیمنٹ شفیق الرحمٰن برق کے خلاف ملک سے غداری کے الزام میں ایف آئی آر درج ہوتی ہے تو اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ کے خلاف سخت الفاظ میں تبصرہ کرنے کی بنیاد پر سابق گورنر عزیز قریشی کے خلاف ملک سے غداری کے قانون کے تحت مقدمہ درج ہو جاتا ہے، بیان یا تنقید چاہے وہ کسی بھی سخت کیوں نہ ہو ملک سے غداری کے زمرے میں نہیں آسکتی ہے۔

اس قانون کے استعمال کو لے کر تجسس کرائم ریکارڈ بیورو نے تازہ اعداد و شمار پیش کیے ہیں جن کے مطابق 2016 سے 2019 کے درمیان اس قانون کے تحت مقدمات میں تقریباً 163 فیصد اضافہ ہوا ہے جب کہ صرف 3.3 فیصد مقدمات میں ہی جرم ثابت ہو سکا ہے۔ 2019 میں 96 افراد کے خلاف ملک سے بغاوت کے الزام کے مقدمات درج ہوئے جن میں صرف 2 ملزمین کے خلاف جرم ثابت ہوا، یہاں یہ حقائق بھی قابل غور ہیں کہ شہریت قانون میں ترمیم کے بعد ہونے والے احتجاجات کے دوران ملک سے غداری کے الزام میں تقریباً 25 مقدمات انڈین پینل کوڈ کی دفعہ 124A کے تحت قائم کیے گئے، وہیں بالخصوص لنچنگ، ریپ حادثے کے بعد سوشل میڈیا میں پوسٹ ڈالنے یا حکومت و انتظامیہ کے رویہ پر سوال اٹھانے والوں کے خلاف 22 مقدمات ملک سے غداری کے قانون کے تحت درج کیے گئے، اور پلوامہ حادثے کے بعد سوال کرنے والوں کے خلاف تقریباً 27 مقدمات اس قانون کے تحت درج ہوئے۔

سپریم کورٹ آف انڈیا نے کیدار ناتھ سنگھ بنام اسٹیٹ آف بہار 1962 کے مقدمہ میں سڈیشن کے قانون کی دفعہ 124 اے انڈین پینل کوڈ کی دستوری حیثیت کو واضح کرتے ہوئے اس قانون کے متعلق بنیادی اصول پیش کیے تھے جس میں سپریم کورٹ نے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ حکومت کی پالیسیوں کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار کرنا یا حکومت وقت کی مخالفت کرنا سڈیشن نہیں ہوگا، ملک میں قانون کے ذریعہ بنائی گئی حکومت اور وہ افراد جو وقتی طور پر انتظامی امور انجام دینے کے لیے متعین ہوں، دونوں میں فرق واضح ہے۔ یعنی ہر شہری کو یہ حق ہے کہ وہ حکومت یا حکومت کے کام کرنے کے طریقوں کے متعلق اپنی رائے پیش کرے، یہ رائے تنقید یا مخالفت کرنے کی شکل میں بھی ہو سکتی ہے۔ حکومت وقت یا حکومت کے ذریعہ انتظامی امور کو انجام دینے والے ذمہ دار افراد کی کارکردگیوں یا ان کے کام کرنے کے اسلوب و اقدامات کی تنقید کرنا چاہے وہ تنقید سخت ہی کیوں نہ ہو، تنقید یا

> **اگر ہماری عوامی جمہوریت میں عوامی رہنما، سیاسی شخصیات، سماجی کارکنان اور صحافی بھی حکومت کی پالیسیوں اور ان کے کام کرنے کے انداز پر اپنی رائے عوام کے سامنے رکھنے یا حکومت کی عوامی پالیسیوں پر سوال اٹھانے کی پاداش میں ملک سے بغاوت کرنے کے ملزم قرار دیے جائیں گے تو دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت میں سب سے بنیادی جمہوری حق کی اہمیت ختم ہو جائے گی۔**

اختلاف کو ملک سے بغاوت نہیں کہا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص تشدد کرنے کے لیے اکساتا ہے یا امن و امان کے لیے واقعی خطرہ پیدا کرتا ہے تو اس صورت میں ہی اس قانون کا استعمال ہو سکتا ہے۔ کسی شخص کا حکومت کی پالیسیوں کو لے کر تشویش یا بے چینی کا اظہار کرنا تو یقیناً ایک جمہوری ملک کے ایک آزاد شہری کا دستوری حق ہے۔

تاریخ کی کتابوں کے مطابق انگریز حکومت سے آزادی حاصل کرنے کی طویل جدوجہد کے پیچھے سب سے اہم مقصد یہی تھا کہ انگریز حکومت ہمارے ملک میں اپنے مفادات کے پیش نظر پالیسیاں مرتب کرتی تھی اور ان پالیسیوں کے خلاف اٹھنے والی مخالف آوازوں کو دفعہ قوانین اور پولیس کے ذریعے دبانے کی کوشش کرتی تھی، ملک سے بغاوت کے قانون، انڈین پینل کوڈ کی دفعہ 124 اے کو شامل کرنے کا مقصد بھی یہی تھا۔ یہ قانون 1870 میں انڈین پینل کوڈ میں شامل کیا گیا تھا جب انگریز حکومت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے وہابی موومنٹ شروع ہوئی تھی۔ اس سے قبل انگلینڈ میں یہ قانون 1848 میں بوکے ٹرین فیلونی ایکٹ کے نام سے بنایا گیا تھا۔ آزادی کی ایک طویل جدوجہد کے بعد 1947 میں ہمارا ملک انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہو گیا لیکن آزاد ہونے کے بعد بھی ان کالے قوانین کو ختم کرنے کی کوشش نہیں کی گئی البتہ انہی قوانین کے ذریعے ہر اس آواز کو اس قانون کے ذریعہ دبانے کی کوشش کی گئی جو آواز حکومت کی عوام مخالف پالیسیوں کے خلاف اٹھی یا جس نے بھی حکومت کی عوام مخالف پالیسی کی مخالفت کی۔ آزادی کے بعد دستور ہند کا نفاذ ہوا اور دستور نے شہریوں کو متعدد بنیادی و شہری حقوق فراہم کیے ہیں جن میں آرٹیکل 19 بھی شامل ہے، جس کی روشنی میں ہر شہری کو اظہار ہے کی آزادی فراہم کی گئی۔ اظہار رائے کا حق ہی ہے جو ہمیں حکومت اور حکومت کی پالیسیوں پر اپنی رائے پیش کرنے کی آزادی دیتا ہے۔ ایک آزاد جمہوری ملک میں حکومت کا انتخاب عوام کرتے ہیں۔ حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ عوام کی فلاح و بہبود کے لیے قانون و اسکیمیں بنائے، اگر عوام کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کی منتخب کردہ حکومت کچھ خاص منصوبے گھرانوں کے مفادات کے تحفظ کی غرض سے اسی پالیسیاں بناتی ہے جن سے عام شہریوں کو نقصان ہوگا تو یقیناً شہریوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ حکومت کے خلاف اپنی بے چینی کا اظہار کریں، البتہ یہ اظہار خیال جمہوری طریقہ کار کا استعمال کرتے ہوئے ہو تاہم آرٹیکل 19 کی دوسری شق میں حکومت کو یہ اختیار بھی دے دیا گیا کہ وہ قوانین و ضوابط اور امن و امان کے قیام کی یقینی بنانے کی غرض سے معقول پابندیوں کا نفاذ بھی کر سکتی ہے نیز قوانین کی تدوین بھی کر سکتی ہے، انگلینڈ نے اس قانون کو 2009 میں ختم کر دیا ہے، اکثر ویسٹرن ممالک نے اپنے قوانین سے سڈیشن کی شق کو حذف کر دیا ہے۔

1951 میں تاراسنگھ گوپی چند کے مقدمے میں کہا گیا تھا کہ ہندوستان اب ایک خودمختار جمہوری ملک ہے۔ ملک سے بغاوت کا قانون ایک غیر ملکی حکومت کے تسلط کے لیے ضروری تھا جب کہ آزادی کے بعد کی تبدیلیوں کے ساتھ اس قانون کو بھی تبدیل ہونا چاہیے اور اس قانون سے چھٹکارا حاصل ہونا چاہیے۔ 1958 میں رام نندن مقدمے کے فیصلے میں جسٹس گوترنے کہا تھا کہ "قانون ساز اسمبلی و انتظامیہ کچھ وزیروں کے قابو میں ہوتی ہے جن کی پالیسیوں پر پارلیمنٹ سے لے کر سڑک تک عوام بھی اپنے خیالات و جذبات کا اظہار کریں گے، اس اختلاف یا اظہار رائے کا مقصد ضروری نہیں کہ امن و قانون میں رکاوٹ ڈالنا ہو یا حکومت کا تختہ پلٹ کرنا ہو تاہم حکومت ان کی اظہار خیال کی آزادی کو پابند کرنے کے لیے تعزیرات ہند کی دفعہ 124 اے کا ناجائز استعمال کر سکتی ہے جو کہ دستور کے بنیادی حق اظہار رائے کی آزادی کے خلاف ہوگا۔"

آزادی کے بعد سے آج تک اس قانون کا استعمال ہر حکومت اپنے مخالفین اور تنقید کرنے والوں کے خلاف کرتی رہی ہے، ہر سیاسی پارٹی نے اپنے مفادات کے پیش نظر اقتدار میں رہتے ہوئے اس قانون کا غلط استعمال کیا ہے۔ ملک سے بغاوت کرنے کا واضح مطلب یہی ہوتا ہے کہ ملک کی خودمختاری یا آزادی کے لیے خطرہ پیدا کرنا، ملک میں ایسے جنگی حالات پیدا کرنا جن سے دستوری حکومت خطرے میں آجائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آزادی کے بعد سے اب تک عوام کی منتخب حکومتیں عوام کے مسائل حل کرنے میں ناکام ثابت ہوتی رہی ہیں۔ جمہوریت میں صحافت کو چوتھا ستون کہا گیا ہے، اگر ہماری عوامی جمہوریت میں عوامی رہنما، سیاسی شخصیات، سماجی کارکنان اور صحافی بھی حکومت کی پالیسیوں اور ان کے کام کرنے کے انداز پر اپنی رائے عوام کے سامنے رکھنے یا حکومت کی عوامی پالیسیوں پر سوال اٹھانے کی پاداش میں ملک سے بغاوت کرنے کے ملزم قرار دیے جائیں گے تو دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت میں سب سے بنیادی جمہوری حق کی اہمیت ختم ہو جائے گی، ہماری حکومتوں کی ترجیح ہوتی ہے کہ سوالات جنم نہ لے سکیں جب کہ سوالات ہی جمہوری نظام میں حکومت کو متوازن رکھتے ہیں۔

sabbaqsubhani@gmail.com

مراسلات

مراسلہ نگار کی رائے سے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

بے وجہ کھانا خراب نہ کریں!

مکرمی!

ادارتی صفحہ پر عنوان 'خورنی اشیاء کا ضیاع' لوحِ فکر یہ شائع اپنے مضمون میں عباس دھالیوال نے ایک ایسے مسئلہ کو عنوان بنایا ہے جس کی سنجیدگی کی بابت ہم میں سے بیشتر لوگ دانستہ یا غیر اشعاری طور پر بے خبری کا مظاہرہ کرتے ہیں اور وہ یہ اشیاء خورنی کی بربادی کا مسئلہ! واقعی، شادی بیاہ اور دیگر تقاریب جہاں میزبانان محض از خود مدعو مہمانوں کی تعداد کے لحاظ خاطر منعقد اقسام و انواع کے کھانوں اور دیگر لوازمات کا نہ صرف کافی بلکہ ضرورت سے بھی متجاوز انتظام رکھتے ہیں، تاہم ہم کھانا ٹھوس ہوتے ہی پلیٹوں کے پیندوں کی جانب کسن اطفال کی مانند دوڑ پڑتے ہیں اور اپنی پلیٹوں کو دستیاب کھانوں کی تمام اقسام سے مستفیض کرنے اور اس قدر لذاب بھر لینے میں کہ گویا اس کے بعد ہمیں کبھی کھانا نصیب نہ ہوگا!... اور پھر بچے ہوئے کھانے کی کثیر مقدار میں بال یا جانے تقریب کے ڈسٹ بنوں کی نذر کر دیتے ہیں جس سے ہم نہ صرف رزق کی بے ادبی کے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں بلکہ ان ہزاروں لاکھوں لوگوں کے تئیں بھی گنہگار ہوتے ہیں جن کی زندگیوں کا گزارہ اسی بچے کھانے پر منحصر ہوتا ہے۔ اس لوحِ فکر یہ کے ضمن میں مضمون نگار موصوف نے خوراک و زراعت کے عالمی ادارے (FAO) کی ایک رپورٹ کا ذکر بھی کیا ہے جس کے مطابق گزشتہ سے پیوستہ سال 2019 کے دوران، ساری دنیا میں پیدا ہونے والی خوراک کی 14 فیصد حصہ کھیتوں اور کھلیانوں سے لے جا کر مراکز فروخت تک پہنچانے کے دوران بربادی کا شکار ہو جاتا ہے اور ہماری اس لاپروائی اور تساہل سے پیدا یہ مسئلہ یقیناً شدید نوعیت کا ہے جبکہ اس سال یہ اعداد و شمار 17 فیصد تک پہنچ چکے ہیں۔ مزید برآں، اسی عالمی ادارے کی یہ تشویش بھی حق بجانب ہے کہ ہر سال اشیائے خورونی کی جتنی مقدار ضیاع کی نذر ہو جاتی ہے، اس کی تیاری کے عمل میں گرین ہاؤس گیسوں کا اخراج عالمی سطح پر مجموعی کاربن گیسوں کے اخراج سے 10 فیصد کے مساوی ہے جس میں نہ صرف خوراک برباد ہوتی ہے بلکہ پیداواری سے عمل کے دوران استعمال ہونے والا پانی، زمین، ایندھن، انسانی محنت اور اس پر صرف ہونے والا سارا سرمایہ بھی برباد ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم مقدور بھر کوشش کر ہی سکتے ہیں کہ مذکورہ تقاریب کے دوران ضرورت کے مطابق ہی کھانا استعمال کریں اور یہ وجہ کھانا خراب نہ کریں! اپنے اس عمل کے ذریعہ ہم عالمی مسئلہ ضیاع خوراک کے انسداد میں معاون ہو سکتے ہیں۔

اظہر علی خاں

شرافت منزل، کوٹلان، رامپور-1

آئینہ

ضمیر ہاشمی

شکست فاش دی تم نے سپر پاور کو بھی لیکن
چھپے فتنے تمہارا امن کیوں تاراج کرتے ہیں
جو ہر شہری کو احساسِ تحفظ دے نہیں پاتے
تو ایسے حکمراں بس چند دن ہی راج کرتے ہیں

نوٹ: ادارتی صفحے پر شائع مضامین میں مضمون نگاروں کے ذریعہ ظاہر کی گئی آراء ان کی ذاتی ہیں اور ادارہ اس کیلئے کسی طرح سے ذمہ دار نہیں ہے۔

جنبش فخر ہے کہ ہم ہندوستانی ہیں

سہارا انڈیا ایس کیو ٹی کمشن کیلئے پرنٹر و پبلشر **ضیاء قادری** نے اسپیرل پرنٹ پرنٹنگ پریس پرائیویٹ لمیٹڈ 14/2 ڈکرا بنگلور روڈ، ماجی جی بنگلور-560010 میں چھپوا کر دفتر روزنامہ راشٹریہ سہارا نمبر 1 رجسٹرڈ آفس، بنگلور-560001 سے شائع کیا۔

For Sahara India Mass Communication Printed & Published by **Zia Qadri**, Printed at Abhimani Publication Pvt. Ltd, Dr. Rajkumar Road, Rajaji Nagar, Bengaluru-10 and published from No.1, Church Street, Bengaluru -560001

Chief Executive Officer & Editor in Chief : **Upendra Rai** چیف ایگزیکیوٹو آفیسر و ایڈیٹر اِن چیف: اپیندر رائے

Resident Editor: **Nematullah Hameedi** ریزیڈنٹ ایڈیٹر: نعمت اللہ حمیدی * Group Editor: **Ismail Zafar Khan** (ismail.zafarkhan@gmail.com) گروپ ایڈیٹر: اسمٰعیل ظفر خان

For Editorial/News: saharaurdubangalore@gmail.com ■ Advertisement. Bangalore: 080-25594449 (National): ■0-9891773434, 9899452476 Email: adsahara@gmail.com

ٹیلی فون نمبر بنگلور آفس: 080-25594449 ، سرکولیشن: 9448051975

www.roznamasahara.com

R.N.I. No.KARURD/2007/22871 Roznama Rashtriya Sahara (Bengaluru) Regd.: KA/BGGPO/2555/09-11 * اس شمارہ میں شائع شدہ تمام خبروں کے انتخاب اور ایڈیٹنگ کیلئے ذمہ دار

سال: 14 شمارہ نمبر: 4908